درس ٤

’حزبُ اللہ‘ کی تشکیل میں فیصلہ کُن عامل

بمقابلہ ’حزبُ الشیطان‘

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہِ الکریم ...... امّا بعدُ :

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ...... بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ (المائدۃ)

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾ (المُجادلۃ)

﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹﴾﴾ (المُمتحنۃ) صدق اللّٰہ العظیم

قبل ازیں ہم سورۃ الفتح کی آخری آیت اور پھر سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۴ (جو مذکورہ بالا دو آیات سے متصلاً قبل ہے) میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ جو اجتماعیت اقامتِ دین‘ غلبۂ دین‘ اعلائے کلمۃ اللہ‘ تکبیر ربّ‘ حکومتِ الٰہیہ کے قیام یا اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے عظیم مقصد کے لیے قائم ہو‘ اسے کن اوصاف سے متصف ہونا چاہیے۔ اوّل تو ہم نے سورۃ الصّف کی آخری آیت سے یہ سمجھا کہ اس جماعت کی ہیئتِ تشکیلی اس طور سے وجود میں آتی ہے کہ کوئی ایک داعی ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ کی پکار لگائے اور کچھ باہمت لوگ ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ کا نعرہ لگاتے ہوئے اس کا ساتھ دینے پر کمر ہمت کس لیں۔ یہی بات ہمیں سورۃ الفتح کی آخری آیت میں ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ کے الفاظ میں ملی۔ اس مقصد کے لیے اب آئندہ جو اجتماعیت بھی قائم ہوگی‘ ظاہر بات ہے کہ اس میں ایک چیز نہیں ہوگی‘ یعنی جو بھی کوئی شخص کھڑا ہوگا وہ نبی اور رسول نہیں ہوگا‘ باقی اس اجتماعیت کا پورا خاکہ مکمل تفاصیل کے ساتھ ہمیں سیرتِ نبویؐ ہی سے لینا ہے۔ مندرجہ ذیل شعر اگرچہ بعض اعتبارات سے نامناسب ہے لیکن اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے اس بات کو بہت خوبی کے ساتھ واضح کرتا ہے کہ ؎

زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتا کہ جہاں پر خدا نہ ہو!

تو ظاہر بات ہے کہ ہمیں جماعتی زندگی کا پورا نقشہ وہیں سے لینا ہے‘ وہی ہمارے لیے اُسوہٴ کاملہ ہے‘ البتہ اس میں سے جو حصہ ہمیشہ ہمیش کے لیے ساقط ہو چکا ہے اس کو اپنے ذہن سے بھی دُور رکھنا ہے‘ کہیں اس مغالطے میں مبتلا نہیں ہو جانا۔ اس کے لیے شعوری طور پر اپنی حفاظت کا اہتمام کرنا ہے کہ کہیں غلو نہ ہو جائے‘ کہیں حدّ اعتدال سے تجاوز نہ ہو جائے۔

اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے کے لیے جو لوگ ایک جمعیت کی شکل اختیار کر لیں ہم نے ان کے اوصاف کی تین جہات (dimensions) معین کی تھیں —— اوّلاً تعلق مع اللہ‘ ثانیاً آپس کا رشتہٴ اخوت و رفاقت‘ اور ثالثاً جو مقابلے پر ہوں‘ یعنی کفار‘ ان کے ساتھ اس کے برعکس ایک کیفیت۔ اور یہ تیسری چیز اصل میں جہاد فی سبیل اللہ ہے‘ یعنی جان اور مال کا کھپانا۔ جہاں تک جہاد کا تعلق ہے اس کے مقتضیات‘ اس کے تقاضے‘ اس کے مراحل اور اس کے لوازم چونکہ ہمارے منتخب نصاب (۱) میں بالتفصیل بیان ہو جاتے ہیں لہٰذا اس نصاب میں ہم نے ان کو شامل نہیں کیا۔ اسی طرح تعلق مع اللہ کا بیان بھی ایمان کے مباحث میں تفصیلاً زیر بحث آ جاتا ہے۔ البتہ اب ہمیں جن چیزوں پر گفتگو کرنی ہے ان میں ایک تو وہ باہمی رشتہٴ اخوت و رفاقت ہے جو اس اجتماعیت کے اندر مطلوب ہے‘ اور پھر یہ کہ اس کے برعکس جو لوگ مدّمقابل ہوں‘ جو اِس جدوجہد میں مزاحم ہو رہے ہوں‘ ان کے ساتھ طرزِ عمل کیا ہو۔ دوسرے یہ کہ پیشِ نظر اجتماعیت کی صورت میں جو نظم قائم ہو رہا ہے اس میں داعی اور وہ لوگ جو اُس کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس کے اعوان و انصار بن کر حاضر ہو رہے ہوں‘ ان کے مابین ایک نئی نسبت امیر اور مامور کی قائم ہو رہی ہے اور یہ نسبت اب سارے ڈسپلن کی اساس ہے۔ چنانچہ اب ہمیں زیادہ تر انہی دو گوشوں کو قرآن حکیم کی روشنی میں explore کرنا ہے۔

سورۃ الحدید سے لے کر سورۃ التحریم تک جو مدنی سورتیں ہیں ان میں سے متعدد سورتیں پوری کی پوری ہمارے اصل منتخب نصاب میں شامل ہیں۔ سورۃ الحدید اُس کا نقطہٴ عروج اور کلائمکس ہے۔ اس پر وہ نصاب ختم ہوتا ہے‘ بلکہ پورا چھٹا حصہ اسی پر مشتمل ہے۔ اسی طرح اس منتخب نصاب کے چوتھے حصے میں سورۃ الصّف‘ سورۃ الجمعۃ اور سورۃ المنافقون شامل ہیں۔ اس سے بھی پیچھے جائیے تو اس کے تیسرے حصے میں سورۃ التحریم ہے۔ مزید پیچھے جائیے تو اس کے دوسرے حصے میں جہاں ایمان کے مباحث آتے ہیں‘ سورۃ التغابن موجود ہے۔ تو یوں سمجھئے کہ ان دس سورتوں میں سے چھ سورتیں تو پہلے ہی ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہیں۔ اب یہاں آپ نوٹ کیجیے گا کہ یہ جو دو حصے میں آپ کے سامنے لا رہا ہوں ان میں سے اکثر و بیشتر انہی دس سورتوں میں سے منتخب مقامات ہیں۔ اقامت دین اور نظامِ عدل وقسط کے قیام کی جدوجہد ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ کا تعین سورۃ الحدید میں ہو جاتا ہے‘ اظہار دین الحق علی الدین کلہٖ کی جدوجہد سورۃ الصّف کا مرکزی مضمون ہے۔ اس کے لیے جو اجتماعیت قائم ہو گی اس کے استحکام کے لیے ہدایات بھی آپ کو انہی سورتوں (مثلاً سورۃ المجادلۃ‘ سورۃ الممتحنۃ) میں ملیں گی۔ لہٰذا یہ بات پھر ذہن نشین کر لیجیے کہ مکی اور مدنی سورتوں کا یہ گروپ‘ جس میں سات سورتیں مکی ہیں (سورۂ قٓ سے سورۃ الواقعۃ) اور دس سورتیں مدنی ہیں (سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم)‘ ان میں مکی اور مدنی کی نسبت بڑی عجیب ہے۔ سورۃ المدثر کی ابتدائی تین آیات میں ارشاد ہوا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ تو جہاں تک انذار کا تعلق ہے ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ۝﴾ وہ اس گروپ کی سات مکی سورتوں کا مرکزی مضمون ہے‘ جبکہ تکبیرِ ربّ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ اس گروپ کی دس مدنی سورتوں کا main theme ہے۔ چنانچہ ان سورتوں میں ہمیں ان تمام سوالات کے جوابات ملتے ہیں کہ تکبیر ربّ کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کے لیے دو اصطلاحات کیا ہیں؟ پھر یہ کہ اس کے لیے بنیادی منہاج کیا ہے؟ اس کے لیے جو جماعت قائم کرنی ہے اس جماعت کی تربیت کس طور سے ہو گی؟ اس کے لیے جو دعوت دینی ہے اس دعوت کے لیے منبع و سرچشمہ اور مرکز و محور کون سا ہو گا؟ اس جدوجہد سے پہلوتہی کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اس جدوجہد کے لیے جو اجتماعیت قائم ہو گی اس کی اساسات کیا ہیں؟ اور اس کے استحکام کے لیے کون کون سی چیزیں ہیں کہ جن کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے؟ یہ ایک اہم حقیقت ہے جس کو اگر آپ ذہن نشین کر لیں گے تو امید ہے کہ ان سورتوں کے مابین ربط و تعلق اور منطقی ترتیب کے حوالے سے اللہ تعالیٰ آپ کو ایک باطنی بصیرت عطا فرمائے گا۔

اب ہم سورۃ المائدۃ کی آیات ۵۵ اور ۵۶ پر غور کرتے ہیں:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾

’’تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اس کے رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں‘ زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنا لے تو (وہ جان لے کہ) اللہ کی جماعت ہی غالب ہونے والی ہے‘‘۔

گویا اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے قائم ہونے والی تنظیم میں شامل ہونے والے ساتھیوں میں جو باہمی رشتۂ محبت واخوت مطلوب ہے اس کی اصل جڑ ایک نسبتِ ولایت یعنی ایک دوستی کا سلسلہ ہے۔ سلسلہ زنجیر کو کہتے ہیں اور زنجیر کڑیوں (links) سے مل کر بنتی ہے۔ تو اس زنجیر کی تین کڑیاں ہیں۔ اس کی اصل اساس اور اصل الاصول اللہ سے رشتۂ ولایت ہے۔ اللہ اہل ایمان کا ولی ہے اور اہل ایمان اللہ کے اولیاء۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط﴾ (البقرۃ: ۲۵۷) اور: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾﴾ (یونس) اس لفظ ''ولایت'' کا مفہوم کیا ہے؟ اردو میں ہم محبت' حمایت' پشت پناہی' مددگاری جیسے بہت سے الفاظ استعمال کرتے ہیں' ان سب کا خلاصہ عربی زبان میں نسبتِ ولایت ہے۔ ''اللہ ولی ہے اہل ایمان کا'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ اہل ایمان کا دوست ہے' کارساز ہے' پشت پناہ ہے' حامی ہے' ناصر ہے' مددگار ہے' محافظ ہے۔ یہ گویا کہ ایمان کا لبِّ لباب اور ایمان کا حاصل ہے کہ اللہ اور بندے کے مابین یہ رشتۂ ولایت قائم ہوجائے' لیکن یاد رہے کہ یہ رشتہ ''ولایتِ باہمی'' کا ہوگا۔

سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۴ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس مضمون کی تمہید پڑ چکی ہے۔ اس آیت میں تین جہات (dimensions) ذکر ہوئی تھیں: (۱) ''يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ'' (۲) ''اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ'' (۳) ''يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ''۔ اب اس آیت میں پہلی دونسبتوں کا خلاصہ نکالا جا رہا ہے کہ اس تنظیم میں شریک لوگوں میں جو رشتۂ اخوت ومحبت مطلوب ہے اس کی اصل جڑ بھی وہی ہے کہ پہلا رشتۂ محبت اللہ کے ساتھ مضبوط ہو تو یہ زنجیر آگے چلے گی۔ اگر اساس ہی ابھی نہیں پڑی تو زنجیر آگے کیسے چلے گی؟ اصل شے تو یہ ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں اس کے لیے الفاظ آئے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ یعنی وہ لوگ کہ جو حقیقتاً مؤمن ہیں وہ اللہ کے ساتھ محبت میں شدید ترین ہوتے ہیں۔ اللہ کی محبت اگر تمام محبتوں پر غالب نہیں تو ظاہر ہے کہ اب یہ سلسلہ آگے چل ہی نہیں سکتا۔ مطلوب تو یہ ہے کہ معیارِ محبت ونفرت اور دوستی وعداوت اللہ کی ذات پر آ کر ٹھہر جائے۔ جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ))[1]

''جس نے محض اللہ کے لیے کسی سے دوستی کی' اللہ ہی کی خاطر کسی سے بغض رکھا' اللہ ہی کے لیے کسی کو کچھ دیا اور اللہ ہی کے لیے کسی سے کچھ روک رکھا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا''۔

(۱) سنن ابی داوٗد' کتاب السنۃ' باب الدلیل علی زیادۃ الایمان ونقصانہ۔

اگر یہ بات نہیں ہوئی تو ظاہر بات ہے کہ آگے بھی دوستیوں کے معیار مختلف ہوں گے' دوستیاں منتشر ہوں گی' محبتیں مختلف سمتوں میں بکھر جائیں گی' کسی سے کسی اعتبار سے محبت ہوگی' کسی سے کسی اور اعتبار سے محبت ہوگی۔ اس محبت کو منظم کرنے کے لیے' یکسو کرنے کے لیے اور اس قلبی تعلق کو ایک زنجیر کی شکل دینے کے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ﴾ یعنی پہلے تو تمہارا دل اس پر ٹھک جانا چاہیے کہ تمہارا دوست' تمہارا ساتھی' تمہارا ہمدرد' تمہارا خیرخواہ' تمہارا بہی خواہ' تمہارا پشت پناہ' تمہارا حامی' تمہارا مددگار اللہ ہے۔ اور دوسرے نمبر پر ﴿وَرَسُوْلُهٗ﴾ ''اور اس کا رسول''۔ اب یہاں سے دوسرا لنک قائم ہو رہا ہے۔ تو جس طرح اطاعت میں اللہ کے ساتھ رسول نتھی (bracketted) ہو جاتے ہیں اور اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت ایک وحدت ہے اسی طرح کا معاملہ اللہ کی محبت اور رسول کی محبت کا ہے۔ رسول کی محبت اصل میں اللہ کی محبت کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔ اللہ سے جوڑنے والے کون؟ رسول! اللہ سے متعارف کرانے والے کون؟ رسول! اللہ کی راہ میں چلنے کے لیے اُسوۂ کاملہ فراہم کرنے والے کون؟ اللہ کے رسول! ہمیں اگر نماز کی توفیق ہو رہی ہے تو ہر شخص کی اس نماز کے اندر کس کی محنتیں اور مشقتیں شامل ہیں؟ اللہ کے رسول کی! ان کی توانائیاں' ان کی قوتیں' ان کی صلاحیتیں ہیں کہ جن کا یہ ظہور ہو رہا ہے' کہ ان کے طفیل ہم نمازیں پڑھ رہے ہیں' روزے رکھ رہے ہیں۔ یہ سارا دین آپ ﷺ ہی کے ذریعے تو ہم تک پہنچا ہے۔ اس اعتبار سے اللہ کی محبت کے ساتھ رسول ﷺ کی محبت بھی ناگزیر ہے۔ اور جب تک باقی تمام چیزوں اور شخصیتوں کی محبت پر رسول ﷺ کی محبت غالب نہیں ہوگی' ایمان کا تقاضا پورا نہیں ہوگا۔ ازروئے حدیث نبویؐ:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ))[1]

''تم میں سے کوئی اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والد' اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں''۔

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب حبّ الرسول من الایمان۔

اب اگر یہ لنک قائم ہوگیا ہے تو اس کا ایک منطقی نتیجہ ہے ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اور اہل ایمان بھی (تمہارے رفیق ہیں)''۔ اب تیسرے درجے میں یہ محبت غالب ترین ہونی چاہیے۔ جیومیٹری میں اگر آپ ایک نقطے سے کوئی خط کھینچیں تو کسی بھی سمت میں کھینچ سکتے ہیں' لیکن اگر دو نقطے معین ہوجائیں تو اب ظاہر بات ہے کہ ان کو ملاتا ہوا سیدھا خط

صرف ایک ہی سمت میں کھینچا جا سکتا ہے‘ اس کی کوئی اور سمت ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ رشتۂ ولایت و محبت اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ قائم ہو جائے تو پھر محبت کے کہیں بھٹکنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اب یہ تیر کی طرح اس رُخ پر سیدھی جائے گی ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اب یہ محبت ہوگی ان کے لیے جو ایمان لائے‘ چاہے ان سے کوئی خونی رشتہ نہ ہو‘ چاہے ان سے قبیلے کا‘ لسان کا‘ نسل کا‘ وطن کا کوئی رشتہ نہ ہو۔ رشتۂ ایمان موجود ہے تو محبت ہے‘ اور اگر یہ رشتۂ ایمان موجود نہیں ہے تو چاہے حقیقی بھائی ہو‘ چاہے باپ اور بیٹے کی نسبت ہو‘ چاہے بیوی اور شوہر کا تعلق ہو‘ سب پس منظر میں جا کر دھندلا جائے گا۔ قانونی معاملات کی نوعیت کچھ اور ہے‘ وہ میں بعد میں عرض کر دوں گا‘ یہاں اصل میں دلی لگاؤ‘ تعلق خاطر اور محبت قلبی کی بات ہو رہی ہے: ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ”تمہارا دوست تو بس اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور جو ایمان والے ہیں“۔

اب آگے ”اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا“ کی وضاحت کر دی گئی کہ کون اہل ایمان! اہل ایمان میں تو منافق بھی تھے۔ کیا ان سے محبت ہوگی؟ ظاہر بات ہے کہ قانونی طور پر تو وہ مسلمان تھے اور ان کے اس لیگل سٹیٹس کا یہ تقاضا تھا کہ عبداللہ ابن اُبی بھی مرا تو اس کی نماز جنازہ پڑھا دی گئی‘ اس لیے کہ بحیثیت مسلم یہ بات اس کے حقوق میں شامل تھی۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ......))[1] ”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں......“

(۱) یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ)) قِيْلَ: مَا هُنَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((اِذَا لَقِيْتَهٗ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ‘ وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ‘ وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهٗ‘ وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ‘ وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ‘ وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ))

”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں“۔ دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: ”(۱) جب تم اس سے ملو تو اسے سلام کرو‘ (۲) جب وہ تمہیں (کھانے وغیرہ کی) دعوت دے تو اسے قبول کرو‘ (۳) جب وہ تم سے خیر خواہی چاہے تو اس کی خیر خواہی کرو‘ (۴) جب اسے چھینک آئے اور وہ ”الحمد للہ“ کہے تو تم ”یرحمک اللہ“ کہو‘ (۵) جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کرو‘ (۶) اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ (اور اس کی نماز جنازہ پڑھو)“

یہ حقوق اس وقت تک ساقط نہیں ہوں گے جب تک کہ اسے مسلمان مانا جائے۔ یعنی جب تک وہ قانونی ایمان کے درجے میں ہے اس کے یہ حقوق برقرار رہیں گے۔ اسی طرح اس سے آگے بڑھ کر کوئی شخص صرف مسلمان ہی نہیں‘ آپ کا بھائی بھی ہے‘ یا آپ کے والد ہیں‘ یا آپ کے عزیز ہیں‘ تو ان کے جو بھی قانونی حقوق ہیں وہ برقرار رہیں گے‘ وہ آپ کو دینے ہوں گے۔ البتہ یہ کہ اگر وہ مرضِ نفاق کا شکار ہیں تو ان کے ساتھ رشتۂ محبتِ قلبی برقرار نہیں رہے گا۔ اگر وہ برقرار رہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی وہ پہلے دو نقطے (اللہ کی محبت اور رسولؐ کی محبت) ہی صحیح طور پر وجود میں نہیں آئے۔ وہ اگر مستحکم ہو گئے ہوں تو ممکن نہیں ہے کہ یہ محبتِ قلبی کوئی اور سمت اختیار کرے۔

وہ اہل ایمان کون ہیں؟ فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾﴾ ”جو نماز قائم کرتے ہیں‘ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جھکے ہوئے ہوتے ہیں“۔ اس آیت میں اہل ایمان کی تین صفات بیان ہوئی ہیں۔ جہاں تک اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا تعلق ہے یہ مضمون ہمارے منتخب نصاب کے حصہ سوم میں سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات اور سورۃ المعارج کی درمیانی آیات کے ذیل میں تفصیل سے زیر بحث آ چکا ہے۔ اب اس مقام پر اصل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کس سے متعلق ہے؟ بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ ان اہل ایمان کی جو پوری ایک باطنی کیفیت ہے‘ یعنی فروتنی‘ عجز‘ جھکے ہوئے رہنا‘ اس کے اظہار کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں عباد الرحمٰن کی خصوصیات کے ضمن میں الفاظ آئے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ ”جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں“۔ ان کی نشست و برخاست سے‘ ان کی چال ڈھال سے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ اپنے آپ کو بندہ سمجھتے ہیں‘ آقا نہیں سمجھتے۔ ان کے اندر فروتنی ہو‘ تواضع ہو۔ ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کا ایک اور مفہوم بھی ہو سکتا ہے جس کی طرف ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ یا ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں اشارہ کیا گیا ہے‘ کہ اہل ایمان کے سامنے جھکے رہنے والے‘ ان کے لیے متواضع‘ ان کے لیے اپنے کندھوں کو اس طرح جھکا دینے والے جیسے کہ مرغی اپنے بچوں پر اپنے پروں کو جھکاتی اور پھیلاتی ہے‘ یا جس کا نقشہ ہمارے اس منتخب نصاب میں سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے رکوع میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ جیسے کہ ایک شخص کو اپنے والدین کے سامنے اپنے شانوں کو جھکا کر رہنا چاہیے۔

اس ضمن میں میری ایک ذاتی رائے ہے‘ جو میرے علم کی حد تک تا حال کسی اور نے ظاہر نہیں کی۔ ہو سکتا ہے کہ ظاہر کی ہو لیکن میرے علم میں نہ ہو۔ قرآن حکیم پر غور و فکر کرتے ہوئے بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی ایک بات کی طرف میرا ذہن منتقل ہوا اور میں سمجھتا رہا کہ شاید کسی اور نے یہ بات نہیں کہی ہے اور اس کی وجہ سے اس رائے پر میرا دل پوری طرح سے ٹھک نہیں سکا کہ یہ بات شاید کسی اور نے نہیں کہی ہے‘ ہو سکتا ہے کہ غلط ہو‘ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ رائے سلف میں موجود ہے تو اس پر اطمینان ہوا۔ مثال کے طور پر

صوم کے بارے میں مَیں نے بہت پہلے ایک رائے ظاہر کی تھی' بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہی مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کی رائے ہے اور یہ رائے سلف میں موجود ہے۔ سورۃ الحج کی آیات ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا...... ﴾ کے بارے میں میرا ایک وجدانی خیال تھا کہ یہ اثنائے سفر ہجرت میں نازل ہوئی ہیں۔ بعد میں مجھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول مل گیا کہ ان کی رائے بھی یہی ہے۔ تو میں یہی بات عرض کر رہا ہوں کہ ﴿وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ﴾ کے بارے میں میری جو رائے ہے میرے علم کی حد تک یہ بات کسی اور نے نہیں کہی ہے' لیکن اللہ کرے کہ سلف میں کسی اور نے کہی ہو' اور مجھے اس پر اور زیادہ اعتماد ہو جائے۔ وہ رائے یہ ہے کہ ﴿وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ﴾ کا تعلق اصل میں ﴿وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ ﴾ کے ساتھ ہے۔ کوئی شخص کسی کو کچھ دے رہا ہوتا ہے تو اس میں ایک فطری بات ہے کہ دینے والا اپنے آپ کو اس لینے والے سے بالاتر سمجھ بیٹھتا ہے۔ بلکہ اس فطری بات کا اظہار ایک حدیث میں بھی ہوا کہ ((اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی))[1] حضور ﷺ نے فرمایا: ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے''۔

(۱) صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب لا صدقۃ الا عن ظھر غنی۔ وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی ......

یہاں اصل میں حضور ﷺ نے انفاق کی ترغیب دلانے کے لیے فرمایا ہے کہ ''دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے''۔ اور اس میں ایک طرح کی تعلیم بھی ہے کہ لینے سے حتی الامکان بچنا چاہیے' انسان اپنی عزتِ نفس کی حفاظت کرے اور کوشش کرے کہ محنت سے کمائے اور اپنی ضروریات خود پوری کرے۔ تو جب دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے تو اب اس کا ایک عکس دینے والے پر پڑ سکتا ہے اور وہ یہ خیال کر سکتا ہے کہ میں برتر ہوں اور یہ کم تر ہے۔ چنانچہ ایتائے زکوٰۃ کا معاملہ اس انداز سے ہو کہ آدمی عاجزی سے' جھک کر دے رہا ہو' بجائے اس کے کہ اکڑ کر دے رہا ہو۔

یہ معاملہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس تحریک میں' اس جماعت میں' اس جدوجہد میں جو ہمارے ساتھ شریک ہیں' ان میں سے وہ لوگ جو حاجت مند ہوں' اور خاص طور پر وہ لوگ جو اس لیے حاجت مند ہو گئے کہ انہوں نے اپنی توانائیاں اللہ کے دین کے لیے وقف کر دی ہیں' اب ظاہر بات ہے کہ ان کی کوئی خدمت' ان سے کوئی تعاون' ان کی کوئی مدد اگر کی جائے گی تو جھک کر ہی کی جائے گی۔ وہ فقیر تو نہیں ہیں' مانگنے والے تو نہیں ہیں' وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں' وہ اپنی ساری ضروریات خود پوری کر سکتے ہیں' لیکن وہ اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں۔ اس کے لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۷۳ اچھی طرح سمجھ لیں۔ سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳۶ اور ۳۷ انفاق فی سبیل اللہ ہی کے موضوع پر ہیں۔ رکوع ۳۷ میں یہ آیت آئی ہے کہ اس انفاق فی سبیل اللہ کا سب سے اعلیٰ مصرف کیا ہے اور اس کے اوّلین مستحق کون ہیں؟ یہ بات مَیں بعض دروس میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں کہ اسلام میں سوال کی مذمت ہے اور اسلام گداگری کو ایک ادارہ (institution) کی حیثیت سے ختم کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں خیرات بانٹنے کا جو طریقہ رائج ہو گیا ہے' یہ درحقیقت اس institution کو تقویت دینے اور اس کو مستحکم کرنے کا موجب ہے۔ لہٰذا جان لینا چاہیے کہ اس قسم کی گداگری اور خیرات بانٹنے کی یہ کیفیت ہرگز اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۷۳ میں بیان کیا گیا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا سب سے بڑھ کر مستحق کون ہے اور اس انفاق فی سبیل اللہ کا اصل ہدف کیا ہوگا۔

فرمایا: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ﴾ ''اُن احتیاج والوں کے لیے جو گھر گئے ہوں اللہ کے راستے میں''۔ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جو لوگ اس جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں وہ انفاق کے اوّلین مستحق ہیں۔ اس کے ذیل میں وہ لوگ بھی آئیں گے جو صرف دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ وہ جو تین تین سو اصحابِ صفہ حضور ﷺ کی صحبت میں رہتے تھے' ظاہر بات ہے کہ وہ بھی محنت کر سکتے تھے' معاشی جدوجہد کر سکتے تھے' لیکن انہوں نے اپنے آپ کو روک لیا تھا' تھام لیا تھا' وابستہ کر لیا تھا محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور انہی کے ذریعے سے مشکوٰۃِ نبوت کی روشنی پورے عالم میں پھیلی۔ انہی میں سے ایک حضرت ابوہریرہ ؓ ہیں کہ جو حدیث نبویؐ کے پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئے۔ اگرچہ وہ ۷ ھ میں ایمان لانے والوں میں سے ہیں' لیکن ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد صحابہ کرامؓ میں سب سے بڑھ کر ہے' اس لیے کہ وہ تو اپنے آپ کو باندھ کر بیٹھ گئے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے ذریعے سے علم حدیث پھیلا۔

فی سبیل اللہ کے ضمن میں ہمارے سامنے جہاد فی سبیل اللہ کا پورا جامع نقشہ ہونا چاہیے۔ اس کے مختلف گوشے' مختلف شعبے اور اس کے لیے ہمہ وقت' ہمہ تن لوگوں کی ضرورت پیش نظر رہنی چاہیے۔

﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ ز ﴾ ''وہ زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے''۔ وہ اس سبیل اللہ کی جدوجہد میں اس طرح محصور ہو کر رہ گئے ہیں کہ اپنے ذاتی کسبِ معاش کے لیے زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ یہاں زمین میں چلنا پھرنا سے مراد اپنی معاشی جدوجہد کے لیے چلنا پھرنا ہے' بھاگ دوڑ ہے۔ یہ اپنی معاشی ضروریات پوری کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے۔ تو اس کے لیے ضربًا فی الارض کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی وہ اپنی معاش کے لیے بھاگ دوڑ نہیں کر سکتے۔

﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج﴾ ''ناواقف انہیں غنی سمجھتا ہے ان کی خودداری کی وجہ سے''۔ وہ اپنی عفت اور عزت کی حفاظت کرتے ہیں' وہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کر کے اپنی عزتِ نفس ہتھیلی پر رکھ کر اُس کے سامنے پیش نہیں کرتے' بلکہ وہ خودداری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ چونکہ وہ سائل نہیں ہیں' مانگتے نہیں ہیں' لہٰذا ناواقف شخص یہ سمجھے گا کہ یہ غنی ہیں' ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے' ان کی کوئی احتیاج نہیں ہے۔

﴿تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ﴾ ''ہاں ان کو تم پہچان سکتے ہو اُن کے چہروں سے''۔ تم ان کی اندرونی حالت کا اندازہ ان کے چہروں سے کر سکتے ہو۔ ظاہر بات ہے کہ اگر کسی کو فاقہ آیا ہوا ہے تو اس کے چہرے پر نمایاں ہوگا۔ اگر کوئی کسی معاشی پریشانی اور الجھن میں ہے تو وہ اس کے تمام اطوار سے ظاہر ہوگی' لہٰذا انہیں ڈھونڈو' انہیں تلاش کرو! وہی دراصل اس انفاق کے صحیح ہدف ہیں۔

﴿لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط﴾ ''وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے''۔ لپٹ کر سوال کرنا گداگری کا انداز ہے جو اصل میں ایک پیشہ ہے' ایک مزدوری ہے۔ گداگر تو اپنی اس محنت کی اجرت آپ سے لیتے ہیں کہ جو انہوں نے آپ کا گھیراؤ کر کے اور آپ سے لپٹ کر آپ سے کچھ نکلوانے کے لیے کی ہے۔

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾﴾ ''اور جو کچھ مال تم خرچ کرو گے تو وہ یقیناً اللہ کو معلوم ہے''۔ اب دیکھئے' ایسے لوگوں کو جو کچھ آپ دیں گے تو اس وقت ایک تو وہ کیفیت ہونی چاہیے جو ابھی ہم نے پڑھی کہ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ ان کو کسی احساسِ برتری کے تحت نہیں دیا جائے گا' بلکہ اس احساس کے تحت دیا جائے گا کہ برتر وہ ہیں' ہم تو دنیا کے دھندوں میں لگے ہوئے ہیں' ہم اس کام میں ہمہ وقت' ہمہ تن نہیں آ سکے' یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے ہمت کی ہے اور یہ چھلانگ لگائی ہے' تو برتر وہ ہیں نہ کہ ہم۔ اور اگر وہ قبول کر لیں تو ان کا احسان ہے' نہ کہ ہمارا احسان ان پر کہ ہم انہیں کچھ دے رہے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ یہ انفاق خالصتاً اخفاء کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ یہاں اس کا اشارہ کر دیا گیا: ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾﴾ یعنی جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے' جو خیر' جو بھلائی' جو مال تم اللہ کی راہ میں ان خوددار ضرورت مندوں کو دو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے' اللہ اس کو جانتا ہے۔ تمہیں اس کے لیے کہیں اور اعلان کرنے کی اور اس کا کہیں چرچا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سورۃ المائدۃ کی اگلی آیت میں فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو تو (اسے معلوم ہو کہ یہ ہے اللہ کی جماعت اور) اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے''۔ اب یہ مضمون گویا کہ تاکیدی شکل میں آ رہا ہے' اصل بات تو پوری ہو چکی ہے۔ فرمایا کہ جس کسی کا محبت کا یہ تعلق اور رشتۂ ولایت اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اہل ایمان سے قائم ہو جائے ـــــ اب یہاں عبارت میں ایک حذف ہے کہ ''اب یہ لوگ بنیں گے حزب اللہ''۔ ان سے درحقیقت اللہ کی پارٹی وجود میں آئے گی۔ یہ اس اجتماعیت کی وہ روح ہے جو اگر اس میں جاری وساری ہے تو یہ لوگ حزب اللہ کہلانے کے اہل ہوں گے۔ اگر حذف کھول دیا جائے تو ترکیب یوں ہوگی: ''اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ'' (تو یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کی پارٹی بنیں گے اور جان لو کہ اللہ کی پارٹی بہرحال غالب آ کر رہے گی۔) غلبہ پھر انہی کے لیے ہوگا۔ لیکن اس کے لیے پیشگی اہلیت (prequalification) سے آگاہ کر دیا گیا کہ کون لوگ حزب اللہ یا اللہ کی جماعت بننے کے اہل ہیں۔

اصل مضمون تو سورۃ المائدۃ کی آیات ۵۵'۵۶ میں پورا ہو گیا' اب اس کی شرح سورۃ المجادلۃ کی آیات ۱۴ تا ۲۲ میں ملاحظہ کر لیجیے۔ زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ان آیات میں ''تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا'' کے اصول کے تحت حزب اللہ کے مقابلے میں حزب الشیطان کا concept بھی لایا جا رہا ہے' کہ ظاہر بات ہے کہ یہاں صرف حزب اللہ ہی نہیں ہے' حزب الشیطان بھی ہے' اور ان کے مابین ہمیشہ سے معرکہ آرائی جاری ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

یہ کشمکش دو پارٹیوں کے مابین ہے' ایک حزب اللہ ہے تو مقابلے میں حزب الشیطان بھی ہے۔ اب اس حزب الشیطان کا ایک حصہ تو وہ ہے جو بالکل ظاہر و باہر ہے' سامنے ہے' مدّمقابل ہے' سامنے سے وار کر رہا ہے۔ لیکن ایک عنصر خود مسلمانوں میں بھی ہوتا ہے جو حزب الشیطان کا ایجنٹ بنتا ہے۔ یہ مارِ آستین ہے۔ یہ وہ عنصر ہے جس نے اس مدّمقابل حزب الشیطان کے ساتھ (جو قانونی سطح پر بھی کھلم کھلا کافر ہیں) کوئی رشتۂ اخوت ابھی جوڑ رکھا ہے اور کوئی محبت کا تسمہ ابھی لگا یا ہوا ہے' حالانکہ ان کے ساتھ محبت کے کوئی تسمے اگر ابھی لگے ہوئے ہیں' کوئی رشتۂ اخوت باقی رہا ہے تو یہی اس حزب اللہ کے لیے بالقوۃ کمزوری کا مقام (potential source of weakness) ہے۔ یہ گویا کہ اس فصیل کا رخنہ ہے جس میں غنیم کسی بھی وقت داخل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان آیات میں پہلے تو ان منافقین کا کردار بیان ہوا ہے۔ منافقین کے بارے میں ہمارے ہاں ایک غلط فہمی عام ہے کہ یہ کردار صرف رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھا اور اس کا آج کے دور سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ مطالعہ قرآن حکیم کے دوران جب کسی مقام پر منافقین کا تذکرہ آتا ہے

تو بالعموم دل پر ایک حجاب سا آ جاتا ہے کہ یہ تو منافقوں کی بات ہوئی' لیکن جان لیجیے کہ منافق جو تھے ان کے ماتھے پر لکھا ہوا نہیں ہوتا تھا کہ یہ منافق ہیں' قانوناً وہ مسلمان تھے۔ لٰہذا یہ نہ سمجھئے کہ یہ کیفیت ہمارے اندر نہیں ہو سکتی۔ حقیقتِ نفاق پر اپنے مفصل دروس کے دوران میں سب سے زیادہ اسی نکتے کو emphasise کرتا ہوں۔ تو اسے پھر ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ انہیں کوئی علیحدہ کیٹیگری نہ سمجھئے' بلکہ یہ مسلمانوں ہی میں گڈمڈ ہوتے ہیں' انہی کی صفوں میں موجود رہتے ہوئے یہ غنیم کے ایجنٹ بن جاتے ہیں' اس لیے کہ کوئی سابقہ دوستی تھی' کوئی سابقہ رشتہ داری تھی' کوئی آپس کا کبھی کوئی معاملہ رہا تھا' آپس میں حلیف تھے' ایک دوسرے کے حمایتی تھے' لٰہذا کوئی نہ کوئی رشتۂ محبت واخوت باقی رہا اور شعوری طور ان بندھنوں کو نہیں کاٹا۔ نتیجتاً اس حزب اللہ کے لیے بالقوۃ ایک خطرہ وجود میں آ گیا کہ کہیں اندر ہی اندر اس راستے سے غنیم در نہ آئے۔

اب ہم ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا﴾ ''کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو یہ رشتۂ ولایت واخوت ومحبت قائم کیے ہوئے ہیں ایک ایسی قوم سے'' ﴿غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ ''جو اللہ کی مغضوب ہے''۔ جن پر اللہ کا غضب بالکل ظاہر وباہر ہے' جو اِس لائن کے اُس پار کھڑے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی صفوں میں رہتے ہوئے بھی ان کے تعلقات کفار کے ساتھ ہیں' اعداء اللہ کے ساتھ ہیں' حزب اللہ کے کھلم کھلا مخالفین اور معاندین کے ساتھ ہیں۔ ﴿مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ﴾ ''یہ لوگ نہ تم میں سے ہیں نہ اُن میں سے''۔ یہ وہ منافقین ہیں کہ شامل تمہاری صفوں میں ہیں اور رشتۂ محبت اُن سے ہے' تو یہ نہ تمہارے ہیں نہ اُن کے ہیں۔ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ ؕ﴾ (آیت ۱۴۳) کہ وہ بیچ میں کچھ لٹک کر رہ گئے ہیں' مذبذب ہو کر رہ گئے ہیں' نہ یہ اِن کی طرف ہیں نہ اُن کی طرف ہیں۔ ﴿وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''اور وہ قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ پر جانتے بوجھتے''۔ جہاں تک مرضِ نفاق کا تعلق ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ غیر شعوری نفاق ہو' لیکن جب آدمی جھوٹی قسم کھا رہا ہوتا ہے تو وہ غیر شعوری نہیں ہوتی' وہ تو اس کو معلوم ہے کہ میں جھوٹ پر قسم کھا رہا ہوں۔

﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے شدید عذاب تیار کیا ہوا ہے۔ بے شک بہت ہی برا طرزِ عمل ہے جو انہوں نے اختیار کیا ہے''۔

آگے تقریباً وہی الفاظ آ رہے ہیں جو سورۃ المنافقون میں موجود ہیں۔ فرمایا: ﴿اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾ ''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے'' ﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''تو یہ خود بھی رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں اللہ کی راہ سے''۔ صَدَّ' یَصُدُّ فعل لازم بھی ہے اور فعل متعدی بھی۔ اس کا معنی خود رکنا بھی ہے اور دوسروں کو روکنا بھی۔ ﴿فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾﴾ ''تو ان کے لیے بہت ہی رسوا کن عذاب ہے''۔

﴿لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ﴾ ''ہرگز بچا نہ سکیں گے ان کو نہ ان کے مال نہ ان کی اولادیں اللہ کے عذاب سے کچھ بھی''۔ ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾﴾ ''یہ دوزخ والے ہیں اور اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے''۔

﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا﴾ ''جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا'' ﴿فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ﴾ ''تو یہ اس کے سامنے بھی ویسی ہی (جھوٹی) قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے کھاتے ہیں''۔ ظاہر بات ہے کہ دنیا میں جھوٹی قسمیں کھانے کی جو عادت پختہ ہو چکی ہے اور جو اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے' وہاں پر بھی اس کا ظہور ہو گا۔ ﴿وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ﴾ ''اور وہ سمجھیں گے کہ ان کا بھی کوئی موقف ہے''۔ وہ بھی کہیں پر کھڑے ہیں' ان کے پاؤں تلے بھی کوئی زمین ہے۔ ﴿اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ حقیقت میں وہی جھوٹے ہیں''۔

﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ﴾ ''شیطان نے درحقیقت ان کو گھیر لیا ہے''۔ وہ ان پر قابو پا چکا ہے' ان پر مسلط ہو گیا ہے' ان پر چھا گیا ہے۔ ﴿فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور ان کو غافل کر دیا ہے اللہ کی یاد سے''۔ ﴿اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ﴾ ''یہ ہیں شیطان کی پارٹی کے لوگ''۔ ﴿اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ بالآخر شیطان کی پارٹی ہی کو خسارے میں رہنا ہے''۔ بربادی اسی کی ہے' تباہی اسی کی ہے' ہلاکت اسی کی ہے —— اب یہ حزب الشیطان یعنی شیطان کی پارٹی کے لوگ کون ہیں؟ ایک حزب الشیطان تو وہ ہے جو کھلم کھلا سامنے آ رہا ہے' مقابلہ کر رہا ہے' سامنے سے چیلنج کر رہا ہے۔ وہ ابوجہل' ولید بن مغیرہ اور ابولہب جیسے کفار ومشرکین ہیں۔ جبکہ ایک گروہ وہ ہے جو بظاہر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہے اور اندر سے مارِ آستین بن کر کفار کے ساتھ رشتۂ اخوت استوار کیے ہوئے ہے اور ابھی تک اس نے یکسو ہو کر اُن سے دلی تعلق اور دلی محبت کے رشتوں کو کاٹا نہیں ہے۔ تو واضح کر دیا گیا کہ یہ بھی درحقیقت حزب الشیطان کا جزو ہیں اگرچہ بظاہر تمہاری صفوں میں داخل ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ''یقیناً وہ لوگ کہ جو دشمنی رکھتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے' وہی ہیں کہ جو نہایت ذلیل ہو کر رہیں گے''۔ یہ سب سے زیادہ پست ہو کر رہیں گے' یہی ہیں جو سب سے زیادہ خائب وخاسر ہو کر رہیں گے۔

﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ط ﴾ ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہو کر رہیں گے''۔ اللہ نے تو یہ طے کیا ہوا ہے' یہ اس کا فیصلہ ہے۔ البتہ فیصلے کا ظہور کب ہوگا' یہ بات دوسری ہے۔ اس میں ابھی کتنی دیر لگے گی اور اس دوران اہل ایمان کتنی آزمائشوں سے دوچار ہو جائیں گے' یہ مسئلہ علیحدہ ہے۔ بالآخر اللہ اور اس کا رسولؐ غالب آ کر رہیں گے۔ یہ رسولوں کے باب میں اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی مستقل سنت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں سے یہ پختہ وعدہ ہے اور ان کے ضمن میں اللہ کا یہ پختہ فیصلہ ہے کہ رسول کبھی مغلوب نہیں ہوسکتا۔ ہاں جو نبی ہو وہ مغلوب ہوسکتا ہے' رسول کے مغلوب ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ یہ قرآن کا ایک اہم نکتہ ہے' مگر اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا ہے' زبردست ہے''۔ جو چاہے کرگزرنے والا ہے۔

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''تم ہرگز نہیں پاؤ گے ان لوگوں کو جو حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یومِ آخر پر''﴿يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ''کہ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے''۔ یُـــوَآدُّوْنَ ''و'د'د'' مادہ سے باب مفاعلہ ہے' یعنی باہم محبت کرنا۔ اسی سے ہم رشتۂ مودّت کہتے ہیں۔ محبت' مودّت' رأفت اور رفاقت یہ الفاظ ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں۔ بلکہ سورۃ الحدید کے درس میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رأفت اور رحمت ایک قبیل کی شے ہیں اور مودّت و محبت ایک قبیل کی شے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان مناسبت ہے۔ فرمایا کہ تم نہ پاؤ گے کہ وہ لوگ جو واقعتاً اللہ پر اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں کہ ان کا قلبی رشتۂ محبت ان لوگوں سے ہو جو اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اس کی شرح سورۃ الممتحنہ کی ان دو آیات میں سامنے آئے گی جن کا ہم آخر میں مطالعہ کریں گے۔ جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول سے عناد رکھتے ہیں' دشمنی رکھتے ہیں' بغض رکھتے ہیں' عداوت رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخر پر حقیقی ایمان رکھنے والے ایسے لوگوں سے رشتۂ محبت و مودّت استوار نہیں کرتے۔ یہاں رسول پر ایمان کا ذکر نہیں کیا گیا' اس لیے کہ محبت یا نفرت کا جو ظاہری طور پر ہدف بن رہا ہے وہ تو رسول کی ذات ہے۔ لٰہذا یہاں اللہ پر ایمان اور یومِ آخر پر ایمان کو نمایاں کیا گیا۔

﴿وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط ﴾ ''خواہ وہ ان کے باپ ہوں' یا ان کے بیٹے ہوں' یا ان کے بھائی ہوں' یا ان کے عزیز اور رشتہ دار ہوں''۔ یہاں بھی بالکل وہی مضمون آ گیا جو سورۂ توبہ میں آیا' صرف مثبت اور منفی اسلوب کا فرق رہ گیا۔ وہاں ارشاد ہوا: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ ...... الآیۃ﴾ علائقِ دُنیوی کی جو فہرست وہاں بیان کی گئی وہی فہرست یہاں ہے' سوائے اس کے کہ ازواج کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا' باقی چاروں لفظ وہی ہیں۔ باپ' بیٹے' بھائی' رشتہ دار۔ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے خواہ کتنے ہی قریبی عزیز ہوں اُن کے ساتھ محبت کا رشتہ اب باقی نہیں رہ سکتا' اگر ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ دل میں جاگزیں ہو چکا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو جما دیا ہے''۔ لفظی ترجمہ ہوگا: ''لکھ دیا ہے''۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں لکھی ہوئی ہے' گویا یہ میرے دل پر نقش ہے۔ تو آیت کے اس ٹکڑے کا بہترین ترجمہ یہ ہوگا: ''اللہ نے ان کے دلوں پر ایمان کو نقش کر دیا ہے''۔ ﴿وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط ﴾ ''اور ان کی تائید کی ہے اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ''۔ روح کا لفظ کثیر المعانی ہے اور اس وقت اس پر مفصل گفتگو ممکن نہیں ہے۔ ویسے ہمارے دروس میں اس پر گفتگو ہوتی رہتی ہے کہ فرشتہ بھی روح' روحِ انسانی بھی روح' وحی بھی روح۔ پھر لفظ رِیح (ہوا) بھی اسی مادے سے ہے' اس لیے کہ ''الف' واؤ اور یا'' تو حروف علت ہیں' بدلتے رہتے ہیں۔ اسی مادے سے رَوح اور راحت ہے' یعنی انسان کو انشراح' مسرت اور انبساط کا ایک احساس ہو۔ تو یہ وہ فیضانِ روحانی ہے جو انہیں حاصل ہوتا ہے۔ دیکھنے والے انہیں دیکھتے ہیں کہ بظاہر مشکلات میں ہیں' مصائب میں ہیں' لوگوں کے نرغے میں آ گئے ہیں' لوگوں کی دشمنی اور عداوتوں کا مرکز بن گئے ہیں' لیکن خود اُن کو ایک باطنی راحت میسر ہوتی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ جب جیل میں تھے تو کہا کرتے تھے ''اِنَّ جَنَّتِيْ مَعِيَ '' یعنی میری جنت میرے ساتھ ہے۔ تم مجھ سے اسے چھین نہیں سکتے۔ انسان کے دل میں اگر امن ہے' سکون ہے' چین ہے' راحت ہے' اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے انبساط ہے تو اگر اس کے جسم پر کوڑے بھی پڑ رہے ہوں تو اس کا وہ باطنی سکون درہم برہم نہیں ہوگا۔ یہ ہے وہ فیضانِ روحانی۔ ﴿وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط ﴾ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے ذریعے سے ان کی تثبیتِ قلبی فرماتا ہے۔ یہ مضمون ہمارے منتخب نصاب میں سورۃ حٰمٓ السجدۃ کے حوالے سے موجود ہے۔

﴿وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''اور داخل کرے گا انہیں ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی''۔ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط ﴾ ''رہیں گے اس میں ہمیشہ''۔

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط ﴾ ''اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے''۔ جس طرح ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ کا معاملہ ہے کہ رشتۂ موالات اور محبت دو طرفہ ہے۔ گویا ع ''دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی!'' اسی طرح باہمی رضا کا معاملہ بھی دو طرفہ ہے۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ ''اللہ ان سے راضی ہو گیا'' ﴿وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

''اور وہ اس سے راضی ہو گئے''۔ یہ جو اللہ سے راضی ہونے کا معاملہ ہے' یہ آخرت میں جا کر تو بتمام وکمال ہوگا ہی' اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی جو لوگ اس مقامِ رضا پر فائز ہو جاتے ہیں' اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اللہ سے راضی رہتے ہیں اور جس حال میں بھی وہ رکھے وہ راضی برضائے ربّ رہتے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ط﴾ ''یہ ہے اللہ کی پارٹی''۔ یہ ہے اللہ کی جماعت۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کے بارے میں اقبال نے بہت پیارا شعر کہا ہے کہ ؎

اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اس سے متصلاً قبل یہ شعر ہے ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

دنیا میں مادیت اور روحانیت کے درمیان معرکہ آرائی ہے' روح اور جسم کا معرکۂ کارزار گرم ہے' خدا کے مقابلے میں کائنات اور حیاتِ اُخروی کے مقابلے میں حیاتِ دُنیوی توجہ کا مرکز بن کر رہ گئی ہے۔ تہذیب وتمدن اور ثقافت کے نام پر بے حیائی' شیطنت اور درندگی کا ننگا ناچ ہے جو دنیا میں ناچا جا رہا ہے۔ اس معرکۂ کارزار میں اللہ کی پارٹی کے لوگ وہ ہیں جن کی پیشگی اہلیت (prequalification) اوپر بیان کر دی گئی ہے۔

آخر میں فرمایا: ﴿ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰـهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٢٢﴾ ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ بالآخر اللہ کی جماعت کے لوگ ہی فلاح سے ہم کنار ہوں گے''۔ یہی جماعت بالآخر کامیاب ہوگی۔ فلاح کا مفہوم ہمارے منتخب نصاب کے تیسرے حصے کے پہلے سبق میں تفصیل سے بیان ہو چکا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ...... الخ﴾ ''یقیناً فلاح پا گئے وہ اہل ایمان......''۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

آخر میں سورۃ الممتحنہ کی دو آیات کا ترجمہ کر لیجیے جو اس درس میں مزید شامل کی گئی ہیں' اس لیے کہ ان میں ایک فطری تدریج کی طرف اشارہ ہے جس کو کہ شریعت پیش نظر رکھتی ہے۔ قرآن کتابِ ہدایت ہے' کتابِ فطرت ہے' لہٰذا اس میں فطری چیزوں سے صرفِ نظر نہیں کیا جاتا۔ ہمیں یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ سب کافر برابر نہیں' سب مسلمان برابر نہیں۔ مسلمانوں میں منافق بھی ہیں کہ جو کافروں کے ایجنٹ ہیں' ففتھ کالمسٹ ہیں' جو حزب الشیطان ہی کا ایک حصہ ہیں کہ جو اہل ایمان کی صفوں میں ہے۔ کفار میں بھی کچھ تو ایسے ہیں جو اللہ' اس کے رسول اور اہل ایمان سے انتہائی بغض اور دشمنی رکھتے ہیں' اس جدوجہد میں مزاحم ہو رہے ہیں' آڑے آ رہے ہیں' مخالفت کر رہے ہیں' جبکہ ایک وہ ہیں کہ جو کچھ نیوٹرل ہیں' وہ بھی نہ اِدھر ہیں نہ اُدھر ہیں۔ وہ اہل ایمان کے مدّ مقابل نہیں آئے' ان سے لڑے نہیں رہے' ان کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن رہے' بلکہ شاید وہ wait and see کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں کہ ذرا تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو' ابھی دیکھو کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ تو جو اس طرح تمہارے مدّ مقابل نہ ہو گئے ہوں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا کہ ان کے ساتھ کچھ نیکی' بھلائی اور عدل وانصاف کا معاملہ کیا جائے۔

اب ہم سورۃ الممتحنہ کی ان دو آیات کا ترجمہ کرتے ہیں: ﴿ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ نہیں روکتا تمہیں ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے نہ تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی اور نہ تمہیں انہوں نے تمہارے گھروں سے نکالا'' ﴿اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ط﴾ ''اس سے کہ تم ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک اور انصاف کا معاملہ کرو''۔ ﴿اِنَّ اللّٰـهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٨﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے''۔ ﴿اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں منع فرماتا ہے'' ﴿عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ ''ان لوگوں سے کہ جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے'' ﴿وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ﴾ ''اور انہوں نے گٹھ جوڑ کیا ہے تمہارے نکالنے پر'' ﴿اَنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ ''کہ تم ان سے دوستی کرو''۔ اب یہاں لفظ ولایت آیا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روک دیا ہے کہ تم ان سے رشتۂ محبت اور رشتۂ ولایت استوار کرو۔ ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٩﴾﴾ ''اور جو لوگ ان سے رشتۂ ولایت استوار کریں گے (ان سے دوستی کا تعلق رکھیں گے) تو بلاشک وشبہ وہی لوگ ظالم ہوں گے''۔ اور یہ ظالم کا لفظ قرآن کی اصطلاح میں بڑا سخت ہے اور بالعموم مشرک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾﴾ (لقمٰن) ''یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔ چنانچہ جب اس کے لیے قرینہ موجود نہ ہو تو شرک ظلم کے معنی میں اور ظالم مشرک کے معنی میں لیا جائے گا۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم oo